ششماہی علوم القرآن، علی گڑھ ۴/۲، جولائی - دسمبر ۱۹۸۹ء

قرآنی تصورِ ملکیت

عبدالعظیم اصلاحی

حق ملکیت کا تعین معاشیات کے بنیادی مسائل میں سے ایک ہے۔ مختلف معاشی نظاموں کے درمیان جو اختلافات پائے جاتے ہیں اگر ان کا دقت نظر سے تجزیہ کیا جائے اور ان کے پیچھے کارفرما اسباب و عوامل کا پتہ لگانے کی کوشش کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کی بنیادی وجہ حق ملکیت کے سلسلہ میں ان کے نقطہ ہائے نظر کا اختلاف ہے۔ حق ملکیت سے متعلق اسلام کا خود اپنا ایک تصور ہے، جو اس عالم آب و گل سے متعلق اس کے خاص نقطہ نظر اور قرآن و سنت کی ہدایات سے ہم آہنگ ہے۔ اسلام ملکیت کے سرمایہ دارانہ تصور، بے قید شخصی حق ملکیت اور کمیونزم کے تنہا حکومتی حق ملکیت دونوں کے خلاف ہے۔

پیش نظر مضمون میں ہم نے کوشش کی ہے کہ حق ملکیت سے متعلق اسلامی نقطۂ نظر کا مطالعہ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں کریں۔ حسب ضرورت احادیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔ البتہ علماء و مفسرین کی آراء و تشریحات کو پیش نظر رکھنے کے بجائے حتی الامکان قرآن مجید کے تصور ملکیت کو براہ راست طریقہ پر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے:

قرآنی تعلیمات کے مطابق پوری کائنات کا حقیقی اور مطلق مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ ارشاد باری ہے:

"اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے" (۴:۱۲۶)

"زمین اور آسمانوں اور تمام موجودات کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے"۔ (۵:۱۲۰)

چنانچہ انسان کو کسی چیز کی ملکیت عطا کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو اس سلسلہ میں حدود و قیود متعین کرنے کا اختیار ہے۔ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں جو صورتِ حال ابھرتی ہے وہ یہ کہ انسان کو اشیاء میں کسی تصرف کا حق بر بنائے خلافت و امانت حاصل ہے۔ ملکیت کا حصول بذاتِ خود کوئی مقصد نہیں ہے بلکہ اپنی خلافت کی ذمہ داریوں کو کما حقہ ادا کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس خلافت ارضی کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح آیا ہے:

"اور ذرا یاد کرو وہ وقت جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں ..." (۲: ۳۰)

اسلامی تعلیمات، عقائد اور عبادات انسان کو اس بات کے لیے تیار کرتے ہیں کہ وہ ملکیت کے حصول، تمتع اور تصرف سے متعلق ہدایات ربانی کو تسلیم کرے اور اس سلسلہ میں وارد تمام تر پابندیوں کو قبول کرے۔ مومن کے لیے یہ ایک بالکل فطری بات ہے کہ وہ اپنی دولت سے متعلق مالک حقیقی جل شانہ کی ہدایت و رضامندی کو ہر آن ملحوظ رکھے، وہ قارون کی طرح یہ نہیں کہہ سکتا کہ "یہ (دولت و ثروت) میرے اپنے علم کی بنا پر مجھے حاصل ہوئی ہے" (۲۸: ۷۸)، اور نہ ہی وہ قوم شعیب کی طرح یہ احتجاج کر سکتا ہے کہ "اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جنھیں ہمارے آباء و اجداد پوجتے آئے ہیں، یا ہم اپنے مالوں میں من مانی کرنے سے باز آجائیں؟" (۱۱: ۸۷)

دولت و ثروت ایک امتحان ہے:

دولت و ثروت کی حیثیت دراصل ایک امتحان کی ہے۔ اسی لیے انسان کو اس کے حصول اور تصرف کے معاملہ میں آزادی دی گئی ہے۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے:

"یہ جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایک آزمائش کا ذریعہ ہیں، اللہ کے یہاں (اس کا) بہت بڑا اجر ہے۔" (۸: ۲۸)

اگرچہ بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں حدود و قیود کی پابندیوں سے امتحان کی معنویت میں فرق آتا ہے، لیکن سماجی مصالح اور انسانی معاشرہ کی اجتماعی ضروریات اس بات کی متقاضی ہوئیں کہ اس باب میں فرد کی یہ آزادی کچھ حدود میں رکھی جائے۔ اس لیے مال و دولت کے تصرف کے سلسلہ میں

بہت سے ایسے اوامر ونواہی دیئے گئے ہیں جن کی رعایت ایک صحت مند معاشرہ کی ضامن بن سکے۔ دولت و ثروت کے تعلق سے انسان پر جو ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں ان سے کماحقہ، عہدہ برآ ہونے کے لیے صرف اس کی انفرادی کوشش کافی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لیے معاشرہ اور معاشرہ کی اعلیٰ شکل ریاست کے ساتھ مل کر اجتماعی جدوجہد ضروری ہے۔

حق ملکیت کا متوازن تصور:

افراد، معاشرہ اور ریاست سبھی پر کچھ فرائض عاید ہوتے ہیں اور اسی کے ساتھ انہیں کچھ حقوق بھی دیئے گئے ہیں، اس میں شبہ نہیں کہ تمام حقوق و واجبات کے سلسلہ میں فرد ہی مرکز توجہ ہے جو براہِ راست اللہ تعالیٰ کو اپنے اعمال کا جوابدہ ہے۔ لیکن وہ فطرتاً ایک سماجی زندگی اور تمدنی معیشت کا محتاج ہے۔ اس کی مادی و روحانی ترقی کے لیے اجتماعی کوشش ضروری ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے معاشرہ کا وجود دراصل اپنے افراد کے لیے ہوتا ہے۔ اس کا نشو و نما افراد کی فطری ضرورتوں کے تحت ہوتا ہے اور انھیں سے قائم رہتا ہے۔ سوسائٹی اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے ریاست اور اسی طرح کے دوسرے اداروں سے مدد لیتی ہے۔ افراد کی جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ، عدل و حریت کی ضمانت اور تعلیم و ترقی کے وسائل کی فراہمی ریاست کی چند اہم ذمہ داریاں ہیں۔ اس طرح یہ بات واضح ہے کہ افراد، سوسائٹی اور ریاست اپنے فرائض کے مطابق ملکیت کے حقدار ہیں ان تینوں گروہوں کی ذمہ داریوں کے پیش نظر ان سب کے لیے اسلام کچھ حقوق ملکیت عطا کرتا ہے یہ تقسیم اپنی جگہ نہایت متوازن و جامع ہے۔ مگر جن لوگوں نے اسلامی تعلیمات کے تمام پہلوؤں کو اپنی نگاہ میں نہیں رکھا انھوں نے اسلام کے تصور ملکیت کی تشریح اپنے نقطہ نظر سے کی، کسی نے اسے سوشلزم سے قریب بتایا، تو کسی نے سرمایہ داری سے، حتیٰ کہ بعض لوگوں نے اسے جاگیرداری کا حامی قرار دیا حالانکہ کسی صحیح نتیجہ تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے تمام پہلوؤں کو نظر میں رکھا جائے۔ ورنہ ویسی ہی غلطی ہوگی جیسی فیل دماں کے پیکر عظیم کا اندازہ کرنے میں بصارت سے محروم کچھ لوگوں نے کی۔

شخصی حق ملکیت :

انفرادی یا شخصی حق ملکیت اسلام کا بہت ہی نمایاں اور بنیادی نظم ہے، جس کا ثبوت ہمیں قرآنی آیات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرامؓ کے اسوہ میں ملتا ہے اور اپنی پوری تاریخ میں پیروانِ اسلام کا اسی پر عمل رہا ہے اس کی حکمت و مصلحت کیا ہے یہاں اس کی تفصیل میں جانا ممکن نہیں ہے پھر بھی شخصی ملکیت سے متعلق بعض حضرات کی مخالفت کے پیشِ نظر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں چند آیات پیش کر دی جائیں جو واضح طور سے شخصی یا انفرادی ملکیت کی تائید کرتی ہیں :

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو جو مال تم نے کمائے ہیں اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمہارے لیے نکالا ہے اس میں سے بہتر حصہ راہ خدا میں صرف کرو ...." (۲ : ۲۶۷)

"یتیموں کے مال ان کو واپس دو اور تم اچھے مال کو برے مال سے نہ بدلو اور ان کے مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے ..." (۴ : ۲)

"اور اپنے مال میں سے جو اللہ نے تمہیں دیا ہے انھیں بھی دو ...." (۲۴ : ۳۳)

"مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہے خواہ تھوڑا ہو یا بہت۔ اور یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے۔" (۴ : ۷)

"کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم نے اپنی بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے مویشی پیدا کیے ہیں اور اب یہ ان کے مالک ہیں۔" (۳۶ : ۷۱)

مذکورہ بالا آیات سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ افراد کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ زمین، مکان، باغات، چوپائے، سیم و زر وغیرہ شخصی ملکیت میں رکھیں۔ ان آیات کے علاوہ زکوٰۃ کا نظم، وراثت کا قانون، دوسروں کی ملکیت کے سرقہ پر حد کا اجراء شخصی ملکیت کے اعتراف کی طرف واضح طور پر اشارہ کرتے ہیں۔

حصول ملکیت کے ذرائع :

جیسا کہ ہم نے شروع میں ذکر کیا قرآن مجید میں شخصی ملکیت کا مطلق حق نہیں تسلیم کیا گیا ہے،

ملکیت کا حصول، اس سے استفادہ اور اس میں تصرف مالک حقیقی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مرضی اور حکم کے تابع ہوگا۔ کسب ملکیت کی اجازت صرف حلال ذرائع سے دی گئی ہے۔ پیداواری عمل اور کمائی کے لیے فرد کی اپنی محنت و حرفت، مردہ زمینوں کو قابل کاشت بنانے کا عمل، مبادلہ کے اعمال جیسے تجارت، مضاربت، ھبہ، وصیت اور وراثت حصول ملکیت کے جائز ذرائع میں شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"... اور یہ کہ انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے سعی کی"۔ (۵۳ : ۳۹)

"اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے مالوں کو آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ لیکن کوئی تجارت ہو باہمی رضامندی سے (تو کوئی مضائقہ نہیں) ...." (۴ : ۲۹)

"پھر جب نماز ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو..." (۶۲ : ۱۰)

"اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو (اپنے معاملات کے) عہود کو پورا کرو..." (۵ : ۱)

ان ذرائع کو اپنانے کی ممانعت کی گئی ہے جو اخلاقی یا سماجی طور پر ضرر رساں ہیں، یہ وہ ذرائع ہیں جن میں غرر یا دوسروں کا استحصال ہوتا ہے یا جو "اکل المال بالباطل" پر منتج ہوئے ہیں۔ قرآن مجید نے خاص طور پر قمار بازی، سرقہ، رشوت اور غبن جیسے ذرائع کو اپنانے سے روکا ہے۔ اس سلسلہ میں درج ذیل قرآنی آیات کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے:

"اے وہ لوگو، جو ایمان لائے ہو شراب، جوا، آستانے اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں ان سے پرہیز کرو۔ امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی"۔ (۵ : ۹۰)

"وہ کہتے ہیں کہ خرید و فروخت بھی تو سود کی طرح ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو خرید و فروخت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے"۔ (۲ : ۲۷۵)

"اور چور خواہ عورت ہو یا مرد دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، یہ ان کی کرتوت کا بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرتناک سزا۔ اللہ کی قدرت سب پر غالب اور وہ بڑی حکمت والا ہے"۔ (۵ : ۴۱)

"کسی نبی کا یہ کام نہیں کہ خیانت کرے۔ اور جو کوئی بھی خیانت کرے گا وہ اپنی خیانت سمیت قیامت کے روز حاضر ہوگا۔ پھر ہر متنفس کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ مل

جائے گا اور کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ (۳: ۱۶۱)

"اور تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناروا طریقے سے کھاؤ نہ حاکموں کے آگے ان کو اس غرض کے لیے پیش کرو کہ تمہیں دوسروں کے مال کا کوئی حصہ قصداً ظالمانہ طریقے سے کھانے کا موقع مل جائے" (۲: ۱۸۸)

یہ بات قابل ذکر ہے کہ "اکل المال بالباطل" یا دوسروں کے مال کو حرام طریقے سے کھانا ایک نہایت وسیع اصطلاح ہے جس میں وہ تمام ذرائع آمدنی شامل ہوں گے جو سماجی یا اخلاقی طور سے غیر پسندیدہ ہیں جن میں سے بعض کا ذکر اوپر کی آیات میں آیا ہے۔

ملکیت کا استعمال اور فرائض :

قرآن مجید نے ملکیت سے استفادہ اور لطف اندوزی کی کچھ حدیں مقرر کی ہیں مثلاً اس میں اسراف اور ضیاع نہیں ہونا چاہیے اس طرف قرآن میں کئی مقامات پر توجہ دلائی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں وارد چند آیات یہاں پیش کی جاتی ہیں :

"اور ہم نے جو نفیس چیزیں تم کو دی ہیں ان میں سے کھاؤ اور اس میں سرکشی کی راہ نہ اپناؤ کہ کہیں تم پر میرا غضب نہ ٹوٹ پڑے اور جس پر میرا غضب ٹوٹا وہ گر کر ہی رہا" (۲۰: ۸۱)

"اور رشتہ داروں کو ان کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق۔ فضول خرچی نہ کرو۔ بے شک فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے" (۱۷: ۲۶)

"اور جب وہ لوگ خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں بلکہ ان کا خرچ کرنا اس (افراط و تفریط) کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے" (۲۵: ۶۷)

اگر کوئی اپنی ملکیت میں ناسمجھی کی وجہ سے بے جا تصرف کرتا ہے تو اس کے اس حق پر حکومت کی طرف سے قدغن لگائی جا سکتی ہے :

"اور اپنے وہ مال جنھیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے قیام زندگی کا ذریعہ بنایا
ہے نادان لوگوں کے حوالہ مت کرو۔ البتہ انھیں کھانے اور پہننے کے لیے دو
اور انھیں نیک ہدایت کرو۔" (۴: ۵)

حق ملکیت اس لیے عطا کیا گیا ہے کہ انسان پر جو ذمہ داریاں عائد ہیں ان کو اچھی طرح پورا کر سکے اور اس کے معاملات کے ذمہ دار اس پر اس کو مجبور بھی کر سکتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے فرامین اور اولی الامر کے فیصلوں کے ماننے سے متعلق قرآن میں ارشاد ہے:

"اے وہ لوگو، جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی
اور اپنے میں سے معاملہ کے ذمہ داروں کی۔" (۴: ۵۹)

آدمی پر اس کے اپنے نفس کے حقوق بھی ہیں اس لیے نفس کشی اور رہبانیت سے منع کیا گیا ہے:

"پس (اے لوگو!) اللہ نے جو کچھ حلال اور پاک رزق تم کو بخشا ہے اسے
کھاؤ اور اللہ کے احسان کا شکر ادا کرو اگر تم واقعی اس کی بندگی کرنے والے
ہو۔" (۱۶: ۱۱۴)

"اور رہبانیت جو انھوں نے اپنے طور پر گھڑ لیا تھا ہم نے ان پر فرض نہیں کیا
تھا۔" (۵۷: ۲۷)

چنانچہ فرد پر لازم ہے کہ اپنے اہل و عیال کے جائز اور ضروری اخراجات برداشت کرے، ارشاد ہے:

"خوش حال آدمی اپنی خوش حالی کے مطابق نفقہ دے اور جس کا رزق کم
کر دیا گیا ہو وہ اسی میں سے خرچ کرے، جو اللہ نے اسے دیا ہے ...."
(۶۵: ۷)

صاحب ملکیت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے والدین، غریب اقرباء، پڑوسیوں اور ناداروں کی مدد کرے:

"لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ (راہ حق میں) کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ
دیجئے جو بھی مال تم خرچ کرو وہ والدین کے لیے ہو، رشتہ داروں اور یتیموں کیلئے

ہو، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہو۔ اور جو بھلائی بھی تم کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہوگا" (۲:۲۱۵)

ملکیت کے ایک خاص حد پر پہنچنے کی صورت میں اس پر یہ فرض ہو جائے گا کہ اپنے مال سے اس کی زکوٰۃ نکالے، اسی طرح یہ بھی ضروری ہوگا کہ ایک بار حج کرے اور حسب ضرورت اللہ کی راہ میں خرچ کرے:

"اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ دو اور رسول کی اطاعت کرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔" (۲۴:۵۶)

"اللہ کے لیے لوگوں پر اس شخص کے لیے بیت اللہ کا حج فرض قرار دیا گیا ہے جو اس تک پہنچنے کے لیے سفر کے اخراجات کی استطاعت رکھتا ہو۔" (۳:۹۷)

"...اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، اور اللہ کو اچھا قرض دیتے رہو جو کچھ بھلائی بھی تم آگے بھیجو گے اسے اللہ کے یہاں موجود پاؤ گے۔ وہی زیادہ بہتر ہے اور اس کا اجر بہت بڑا ہے..." (۷۳:۲۰)

اسی طرح بخل کی روش اپنانے کی بھی مذمت کی گئی ہے:

"دیکھو تم لوگوں کو دعوت دی جا رہی ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اس پر تم میں سے کچھ لوگ ہیں جو بخل کر رہے ہیں حالانکہ جو بخل کرتا ہے وہ حقیقت میں اپنے آپ ہی سے بخل کرتا ہے۔ اللہ تو غنی ہے تم ہی اس کے محتاج ہو۔ اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔" (۴۷:۳۸)

فرد کی ملکیت میں دوسروں کے حقوق، زکوٰۃ کی فرضیت، حج کی ادائیگی اور دوسرے نفقات واجبہ وغیر واجبہ کی وجہ سے اسلامی نظام میں دولت کی گردش اور تکرار تقسیم کا ایک مستقل عمل فراہم کر دیا گیا ہے، جس کے تجزیہ اور اہمیت کا جائزہ لینے کے لیے الگ مضمون درکار ہے:

اجتماعی اور ریاستی ملکیت:

ریاستی اور اجتماعی ملکیت کی مختلف شکلیں ہیں۔ کوئی چیز دو یا دو سے زائد اشخاص

کی مشترک ملکیت ہوسکتی ہے یا اس پر پوری سوسائٹی یا سارے ملک کا حق ہوسکتا ہے۔ ایسی شکل میں عام طور پر ملکیت کا تعلق صرف اس سے انتفاع تک محدود ہوتا ہے۔ اس میں ردوبدل اور تصرف کی اجازت عموماً نہیں ہوتی۔ اس سے استفادہ کے کیا اصول ہوں وہ شریعت کی تعلیمات اور اس کی روح کو سامنے رکھ کر متعلقہ گروہ یا افراد طے کر سکتے ہیں۔ اس طرح اجتماعی یا ریاستی ملکیت میں ردوبدل اور تصرف بھی صرف اولوالامر اور اصحاب شوریٰ ہی طے کر سکتے ہیں، جن کی تفصیلات اور رہنما اصول فقہ کی کتابوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہاں ہم صرف ان تصریحات کو پیش کرنا چاہتے ہیں جو براہ راست قرآن مجید میں ملتی ہیں۔

کسی مشترک یا اجتماعی ملکیت کے پائے جانے کی کئی شکلیں ہیں اس طرح کی ملکیت کا وجود کسی عہد و پیمان کے نتیجہ میں ہوسکتا ہے جس کی پابندی متعلق افراد پر لازم ہو کیونکہ قرآن نے ایفاء عہد پر بہت زور دیا ہے، سورۃ المائدہ کے آغاز میں فرمایا ہے:

"اے وہ لوگو، جو ایمان لائے ہو عہدوں کو پورا کرو۔" (۵ : ۱)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

"... اور اپنے عہد کو پورا کرو۔ بے شک عہد کے متعلق باز پرسی طے ہے۔" (۱۷: ۳۴)

مخصوص مشترک ملکیت کی ایک مثال اوقاف ہیں۔ اوقاف کے نظام کی بنیاد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پڑی۔ جب قرآنی آیت "لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ" (تم نیکی (کی حقیقت) کو پا نہیں سکتے جب تک تم اس مال میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو جو تمہیں بہت پسند ہے۔" (۳: ۹۲)) نازل ہوئی تو کئی اصحاب رسولؐ نے اپنے باغ اور کنوئیں رفاہ عام کے لیے اللہ کی راہ میں وقف کر دیے۔ قرآنی آیت "لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ" [مردوں کے لیے اس میں سے ایک حصہ ہے جو انھوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے اس میں سے ایک حصہ ہے جو انھوں نے کمایا (۴: ۳۲)] میں 'منْ' تبعیض کی مان کر بعض مفسرین نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ مرد اور عورت جو کماتے ہیں وہ پورے کا پورا ان کا نہیں ہے بلکہ اس میں سے کچھ حصہ سوسائٹی کا بھی ہے۔

یہ بات کہ کچھ اثاثہ جات عام یا مشترک ملکیت میں ہونے چاہئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے بھی ثابت ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ لوگ پانی، آگ اور گھاس میں برابر کے

شریک ہیں۔ عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ اشیاء اللہ تعالیٰ کے بے قید انعامات کی علامت ہیں اس طرح کی چیزاں پر شخصی ملکیت یا قبضہ معاشرہ کے لیے زحمت کا باعث بنے گا۔ دوسری چیزیں بھی جن میں یہی خصوصیت پائی جائے اس حکم میں شامل ہوں گی۔

ریاست کو بعض وسائل کی ملکیت کے حقوق بھی صرف اس لیے دیئے گئے ہیں کہ وہ منفعت عامہ سے متعلق اپنے فرائض انجام دے سکے مثلاً تعلیم کا انتظام، اخلاقی قدروں کی نشوونما، انصاف کی فراہمی، امن وسلامتی کا قیام، سرحدوں کی حفاظت اور لوگوں کے عام مادی و روحانی مصالح کی حفاظت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت کا مقصد تھا لوگوں کو کتاب وحکمت کی تعلیم اور تزکیہ نفوس (ملاحظہ ہو سورۃ الجمعہ آیت ۲)۔ اب آپؐ کے بعد یہ مشن آپؐ کی امت اور خصوصاً اولوالامر پر عائد ہوگا۔ عدل وانصاف کی تاکید، دفع فساد، دین وملت کی حفاظت کے لیے قوت کا حصول اور سامان جنگ کی تیاری، اہل زمین کی تعمیر وترقی یہ وہ ذمہ داریاں ہیں جو مختلف آیات سے معلوم ہوتی ہیں اور جن کی انجام دہی کے لیے کثیر سرمایہ اور بڑے وسائل کی ضرورت ہوگی، اس لیے یہ چیزیں براہ راست حکومت کی ذمہ داریوں میں شامل ہوں گی۔

ریاست کی مالیات وملکیت کے خاص ذرائع جن کا قرآن شریف میں ذکر آیا ہے وہ یہ ہیں: زکوٰۃ وعشر، مال غنیمت کا پانچواں حصہ، جزیہ اور اموال فئی۔ زکوٰۃ کے جمع اور خرچ کا انتظام خیر القرون میں ریاست کے ذریعہ ہوتا تھا۔ رسول اللہ کو بہ حیثیت امام وسربراہ حکومت حکم دیا گیا تھا کہ آپ لوگوں کے مال سے زکوٰۃ وصول کریں:

"تم ان کے مالوں سے زکوٰۃ لے کر انھیں پاک کرو اور ان کا تزکیہ کرو۔۔۔" (۹:۱۰۳)

جن لوگوں پر زکوٰۃ خرچ کی جائے گی ان میں سے ایک شق والعاملین علیھا (زکوٰۃ کے کاموں پر مامورین) کی بھی ہے۔ اس سے اس کا اجتماعی طور سے جمع اور خرچ عیاں ہے۔

اموال غنیمت اور فئی سے متعلق مندرجہ ذیل آیات میں "اللہ اور اس کے رسول کا حصہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ریاست وسربراہ ریاست کے قبضہ وتصرف میں رہے گا تاکہ اس کے ذریعہ ریاست اپنی ضروریات وذمہ داریاں پوری کر سکے۔

"اور جان لو کہ جو کچھ مال غنیمت تم کو ملے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے

رسول اور رشتہ داروں اور یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔" (۸: ۴۱)

سورۃ الحشر میں اموال فیٔ سے متعلق ارشاد ہے:

"جو کچھ بھی اللہ بستیوں کے لوگوں سے اپنے رسول کی طرف پلٹا دے وہ اللہ اور رسول، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔"

(۵۹: ۷)

جزیہ کا ذکر سورہ توبہ میں آیا ہے:

"....یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھوں سے جزیہ ادا کریں اور چھوٹے بن کر رہیں"

(۹: ۲۹)

مذکورہ بالا وہ ذرائع مالیات وملکیت ہیں جن کا ثبوت صراحۃً قرآن میں ہے۔ ان کے علاوہ افتادہ زمین اور جنگلات جو ریاستی مقاصد کے لیے حکومت کی تحویل میں لے لیے گئے ہوں، غیر منقسم مفتوحہ زمین، لقطے جن کے مالک کا پتہ نہ چلے، لاوارث ترکے، خراج وغیرہ بھی حکومت کے ذرائع ملکیت ہیں جن کا اثبات سنت، آثار صحابہ اور قیاس واجتہاد سے ہوتا ہے مگر یہاں ان تفصیلات میں جانے کا موقع نہیں ہے۔

ریاست کے فرائض:

ریاستی املاک دراصل ذمہ داران حکومت کے ہاتھوں میں بطور امانت ہوتی ہیں جن کی غرض وغایت عوام کی فلاح اور رفاہیت کی فراہمی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں تمہیں کوئی چیز اپنے سے نہیں عطا کرتا اور نہ ہی کوئی چیز تم سے روک لیتا ہوں۔ میں تو محض عامل ہوں۔ جیسے مجھے حکم ملا ہے میں تقسیم کرتا ہوں۔"

حکومت بھی املاک کے حصول اور تصرف کے سلسلہ میں ان قواعد وضوابط کے ماننے کی پابند ہے جو قرآن نے دیئے ہیں ذمہ داران حکومت پر لازم ہے کہ اسراف وتبذیر سے بچیں، زکوٰۃ کو صرف ان مدات پر خرچ کریں جو قرآن میں وارد ہیں سورہ توبہ میں

ارشاد ہے:

"زکوٰۃ تو ان لوگوں کے لیے ہے جو فقیر ہوں، مسکین ہوں، جو زکوٰۃ کی تحصیل پر مامور ہوں، جن کے دلوں کی تالیف مقصود ہو نیز گردنوں کے چھڑانے میں، قرضداروں کی مدد میں یا جو مسافر ہوں یا اللہ کی راہ میں (مصروف جہاد) ہوں" (۹: ۶۰)

ریاست کی ذمہ داری ہے کہ ملک کی معاشی ترقی کے لیے کوشش کرے کیونکہ اسی پر اس کی دفاعی قوت کا دار و مدار ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

"اور جہاں تک ہو سکے ان کے لیے قوت فراہم کرو اور جنگ کے لیے گھوڑے تیار کرو جس سے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو ہراساں کر سکو اور کچھ ان لوگوں کو بھی جنہیں تم جانتے نہیں اللہ ان سے واقف ہے" (۸: ۶۰)

دولت و ثروت کی تقسیم میں تفاوت کو کم کرنے کے لیے ریاست کوشاں رہے اس سلسلہ میں قرآن نے جو رہنما اصول دیا ہے اس کا تذکرہ اموال فئی کی تقسیم کے موقع پر آیا ہے:

"تاکہ (یہ مال) تم میں سے مالداروں کے درمیان ہی گردش کرتا نہ رہ جائے"۔ (۵۹: ۷)

حقیقت یہ ہے کہ گرچہ اسلام انفرادی جدوجہد اور ذاتی ملکیت کی پوری اجازت دیتا ہے اور دولت کی غیر فطری مساویانہ تقسیم کو جبراً لادنا نہیں چاہتا لیکن وہ اس بات کا بھی مخالف ہے کہ مالداروں اور ناداروں کے درمیان تفاوت دولت کی ایک وسیع خلیج پیدا ہو جائے۔ وہ دولت کی عادلانہ تقسیم کا ہمنوا ہے اور فقرا و اغنیاء کے درمیان تفاوت کو کم کرنے کی مسلسل کوشش کا حامی ہے جیسا کہ مذکورہ بالا آیت سے واضح ہے۔ اس کے علاوہ زکوٰۃ کا نظام، وراثت کا قانون، کفارات کا حکم اور انفاق پر زور یہ سارے انتظامات ایک ہی نتیجہ پر پہنچاتے ہیں۔

حکومت پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ اپنے عوام کے لیے سماجی و معاشی عدل کا انتظام کرے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

"کہہ دو کہ میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے"۔ (۷: ۲۹)

"اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کیا تاکہ لوگ انصاف قائم

کریں"۔ (۲۵:۵۷)

ایک اور جگہ ہے:

"اور جب تم فیصلہ کرو تو لوگوں کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے"۔ (۵:۴۲)

ریاست کی بنیادی اور اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ لوگوں کی بنیادی ضرورتوں کی فراہمی کا انتظام کرے مثلاً خوراک، پوشش، رہائش، علاج، تعلیم وغیرہ۔ ریاست کو چاہیئے کہ معاشی استحکام کے لیے کوشاں رہے اور قرآن و سنت کی روشنی میں اس کے لیے تنظیم اور منصوبہ بندی کے ضروری وسائل کو اختیار کرے۔ مسلمان مفکرین اور علماء نے عام طور پر ریاست کو عوام کی مجموعی ترقی و خوشحالی کا ذمہ دار قرار دیا ہے اور اسی وجہ سے ریاست کے لیے بھی ملکیت کا حق تسلیم کیا گیا ہے تاکہ وہ ان مقاصد کو اچھی طرح پورا کر سکے۔

خاتمۂ کلام :

مذکورہ بالا تشریحات سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ قرآنی تصور ملکیت سرمایہ دارانہ اشتراکی تصور ملکیت سے بالکل جداگانہ چیز ہے۔ قرآنی تصور ملکیت اس تصور سے بھی مختلف ہے جو نام نہاد مخلوط اقتصادی نظام میں پایا جاتا ہے کیونکہ اس نظام میں گرچہ انفرادی و ریاستی دونوں طرح کی ملکیتوں کو تسلیم کیا جاتا ہے لیکن یہ ادارے اپنی املاک کے مالک مطلق سمجھے جاتے ہیں۔ قرآن کی رو سے ملکیت ایک امانت ہے جو افراد، معاشرہ یا ریاست کو صرف اس لیے عطا کی گئی ہے کہ وہ اپنے اوپر عاید ہونے والے فرائض کو پورا کر سکیں۔ اسی لیے اسلام میں حق ملکیت کو کوئی ایسی چیز نہیں سمجھا گیا ہے جو مطلق یا مقدس ہو۔ ملکیت کے جو اغراض و مقاصد ہیں اور اس کے استعمال و تصرف کے جو اصول و قواعد ہیں اگر ان کی پابندی نہیں ہوتی تو ریاست کو حق ہو گا کہ وہ دخل اندازی کرتے ہوئے کچھ حدود و قیود عائد کر دے۔

ملکیت سے متعلق قرآن نے جو بنیادی اصول و ہدایات دی ہیں اوپر ہم نے ان کی وضاحت کی کوشش کی ہے، ان اصول و ہدایات کی ہمیں مزید تشریح احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اور آثار صحابہؓ میں ملتی ہے اور ان اساسیات پر علماء و مجتہدین نے اسلام کے نظریۂ ملکیت کی تفصیلات بھی مرتب کی ہیں جن کی وضاحت کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

کتابیات

احادیث و آثار اور قیاسات و اجتہادات پر مبنی اسلام کے نظریہ ملکیت سے متعلق تفصیلات کے لیے درج ذیل کتابوں کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے:

۱۔ ابن تیمیہ، الاموال المشترکہ، تحقیق الزہرانی، ضیف اللہ بن یحیی۔ مکۃ المکرمۃ، مکتبۃ الطالب الجامعی ۱۹۸۶ء

۲۔ ابو عبید، کتاب الاموال تحقیق ہراس، محمد خلیل، قاہرہ، مکتبۃ الکلیات للازہریہ، ۱۹۶۸ء

۳۔ اتحاد طلاب ہندسۃ القاہرہ، المال والملکیۃ فی الاسلام، قاہرہ مطبع الجیلادی، ۱۹۷۲ء

۴۔ الترکمانی، عدنان خالد، ضوابط الملکیۃ فی الفقہ الاسلامی، جدہ، دار المطبوعات الحدیثۃ، ۱۹۸۴ء

۵۔ الحسینی، سید ابو النصر احمد، الملکیۃ فی الاسلام، قاہرہ، دار الکتب الحدیثۃ ۱۹۵۲ء

۶۔ زتوم، عبد القیوم، الاموال فی دولۃ الخلافۃ، بیروت، دار العلم للملایین، ۱۹۸۳ء

۷۔ صالح، سعاد ابراہیم، مبادی النظام الاقتصادی وبعض تطبیقاتہ، جدہ، مکتبۃ مصباح ۱۴۰۸ھ
الفصل الخامس۔

۸۔ عودہ، عبد القادر، المال والحکم فی الاسلام، بیروت، منشورات العصر الحدیث، ۱۹۷۱ء

۹۔ المبارک، محمد، نظام الاسلام۔ الاقتصاد۔ بیروت، دار الفکر ۱۹۷۴ء

۱۰۔ النبہان، محمد فاروق، ابحاث فی الاقتصاد الاسلامی، بیروت، مؤسسۃ الرسالہ ۱۹۸۶ء
المبحث الرابع۔

۱۱۔ اصلاحی، عبد العظیم
ECONOMIC CONCEPT OF IBN TAIMIYAH, LEICESTER.
ISLAMIC FOUNDATION. 1988. CHAPTER IV

۱۲۔ صدیقی، محمد نجاۃ اللہ
SOME ASPECTS OF THE ISLAMIC ECONOMY, DELHI, MARKAZI
MAKTABA ISLAMI, 1972, CHAPTER IV

۱۳۔ صدیقی محمد نجاۃ اللہ، اسلام کا نظریۂ ملکیت۔ دہلی، مرکزی مکتبہ اسلامی، ۱۹۷۸ء